حضرت امام علی رضاؑ —— محافظ اصول ، اقدار و ثقافت اسلامی

ناظم علی خیر آبادی

امت اسلامیہ کے آٹھویں امام اور سلسلۂ عصمت وطہارت کے دسویں معصوم ہادی کا نام نامی علی، کنیت ابوالحسن اور مشہور لقب رضاؑ ہے یہ لقب پیغمبر اسلامؐ نے ولادت باسعادت سے قبل ہی عطا فرمایا تھا۔ اس لقب کی وجہ محدث قمی نے ''منتہی الآمال'' ج/ ۲ میں یہ بیان کیا ہے کہ آپ کو دوست و دشمن سبھی پسند کرتے تھے اور حکومت وقت کی پسندیدگی کی وجہ سے ان کی شہرت کو عمومیت حاصل ہوگئی[1]

آپ کی ولادت باسعادت ۱۱/ ذی قعدہ ۱۴۸ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی ، آپ کے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور والدۂ ماجدہ نجمہ خاتون ہیں، جناب نجمہ خاتون کے اسماء گرامی مختلف حالات وروایات یا زبانوں کے اعتبار سے الگ الگ بیان ہوئے ہیں تکتم، اروی، سکن، سمانہ، امّ البنین، خیزران، صقر، شقراء اور امام رضاؑ کی ولادت کے بعد سے انہیں طاہرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا[2]

پینتیس سال کی عمر میں والد بزرگوار کی ۱۸۳ھ میں زندان بغداد میں شہادت کے بعد امامت کے ظاہری منصب پر فائز ہوئے بیس سال تک امام رہے، آپ نے پانچ عباسی حکومتوں کا زمانہ دیکھا، ولادت کے وقت منصور دوانیقی کی حکومت تھی ۱۵۸ھ سے مہدی عباسی کا دور شروع ہوا، ۱۶۹ھ میں ہادی تخت پر بیٹھا۔ ۱۷۰ھ سے ہارون کا دور شروع ہوا، ۱۹۴ھ میں امین تخت حکومت پر آیا۔ ۱۹۸ھ مامون کی شاہی کا آغاز ہوا اور اسی نے ۲۰۳ھ میں زہر دے کر آپ کو شہید کیا۔

امام رضاؑ اور ہارون کی حکومت:

۱۸۳ھ میں جب امام ہفتمؑ کو ہارون کے حکم سے زہر دیا گیا اور زندان میں آپ کی شہادت ہوئی تو آٹھویں امامؑ نے تقریباً دس سال تک اس کی حکومت میں زندگی گزاری اس زمانہ میں باوجودیکہ ظلم وستم کا بازار گرم تھا۔ امامؑ کو علمی اور فرہنگی فعالیت کے لئے یک گونہ آزادی تھی۔ ہارون

نے امامؑ کی فعالیت کے سلسلہ میں تعرض نہیں کیا اور آپ نے والد بزرگوار کے طریقۂ کار اور روش علمی پر چلتے ہوئے بہت سے شاگردوں کی تربیت کی۔ قرآنی حقائق اور اسلامی علوم ومعارف کی نشرواشاعت فرماتے رہے، شاید اس کا سبب ہارون کی طرف سے دباؤ اور قتل امام ہفتم کے عواقب پر نظر رکھنا تھا۔ امامؑ اپنے طرز عمل سے ہارون کے خلاف معاندانہ روش سے دور رہے لیکن آخر کار عوام کی نگاہ میں ہارون کی غلطی اور گناہ کا راز فاش ہوگیا اور لوگوں میں جذبۂ نفرت ابھر پڑا، جبکہ ہارون برابر اس سے برائت کا اظہار کرتا رہا۔ جس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ہارون سے اپنے چچا سلیمان بن ابوجعفر کو جس نے ظالموں کے ہاتھوں سے امام ہفتم کا جنازہ لیکر دفن کرایا تھا۔ ایک پیغام بھیجا کہ خدا سندی بن شاہک پر لعنت کرے اس نے یہ کام بغیر میری اجازت کے انجام دیا ہے۔ ۳؎

اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب یحیٰ بن خالد برمکی نے ہارون سے علیؑ بن موسیٰؑ کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا۔ یحیٰ نے پہلے امام موسیٰ کاظمؑ کے بارے میں بدگوئی اور چغلی کی تھی یحیٰ نے ہارون سے پوچھا کہ موسیٰؑ بن جعفرؑ کے بعد ان کے فرزند جانشینی اور امامت کے دعویدار ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ بہتر یہ ہے کہ علیؑ بن موسیٰ کو بھی خلیفہ کے مامور افراد کی نگرانی میں رکھا جائے ہارون جو ابھی قتل امامؑ ہفتم کو بھول نہیں سکا تھا اور انجام کار کے سلسلے میں فکر مند رہتا تھا جواب دیا کہ جو کچھ میں نے ان کے والد کے ساتھ کیا ہے کیا وہ کافی نہیں ہے؟ تم چاہتے ہو کہ میں ایک دم سے تلوار اٹھالوں اور تمام علویوں کو قتل کردوں۔ ۴؎

ہارون کا غصّے میں بھرا ہوا یہ جملہ تمام درباریوں کو خاموش کرگیا اور دوبارہ کسی کو چغل خوری کی جرأت نہ ہوسکی۔ زمانۂ ہارون میں امام علی رضاؑ نے اس موقع فرصت کو غنیمت سمجھ کر استفادہ کرتے ہوئے اعلانیہ اظہار امامت فرمایا اس وقت ان کے آباء واجداد کی طرح تقیہ کا زمانہ نہیں تھا یہاں تک کہ امامؑ کے بعض مخلص دوستوں اور اصحاب نے امامؑ کو خبردار بھی کیا لیکن امامؑ نے انہیں اطمینان دلایا کہ ہارون کی طرف سے اب کوئی تکلیف نہیں پہونچے گی۔ صفوان بن یحیٰ کا بیان ہے کہ جب امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد امام علی رضاؑ نے اپنی امامت کا اظہار کیا تو امامؑ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے امر عظیم کا اظہار کیا ہے اور ہم اس ظالم ہارون سے آپ کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ وہ جتنی چاہے کوشش کرلے اسے میرے خلاف کوئی راہ نہ ملے گی۔ ۵؎

محمد بن سنان سے منقول ہے کہ میں نے امام علی رضاؑ سے زمانۂ خلافت ہارون میں عرض

کیا کہ آپ خلافت وامامت کو اعلانیہ ظاہر کررہے ہیں جبکہ ہارون کی تلوار سے ابھی خون ٹپک رہا ہے۔ امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ مجھ کو پیغمبرؐ کی بات جرأت وطاقت دے رہی ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ اگر ابوجہل میں اتنی طاقت ہوتی کہ ایک بال بھی میرے سر سے کم کردے تو سمجھ لو کہ میں پیغمبرؐ نہیں ہوں، میں تم کو بتاتا ہوں کہ اگر ہارون میں میرے سر کا ایک بال بھی لینے کی قوت ہوتو سمجھ لینا کہ میں امام نہیں ہوں۔

امامؑ کو اگرچہ خراسان میں محبوبیت اورعظمت حاصل تھی لیکن وہ مدینہ کے زمانہ کو یاد کرتے تھے چنانچہ ایک روز مامون سے فرمایا کہ جو امامؑ کی ولی عہدی کا انتظار کررہا تھا، اس ولی عہد کی بناپر میرے لیے کسی نعمت میں اضافہ نہیں ہوا ہے۔ میں جب مدینہ میں تھا تو شرق وغرب عالم میں میرا دستخط جاری تھا اپنے گھوڑے پرسوار ہوکرنہایت سکون سے مدینہ کی گلیوں میں جاتا تھا مجھ سے زیادہ کوئی عزیز اورمحبوب نہیں تھا۔ ۶؎

امام علی رضاؑ اور امین کی حکومت

ہارون نے اپنی حکومت کے زمانے میں محمد امین کوجس کی ماں زبیدہ تھی اپنا ولی عہد بنایا تھا اور لوگوں سے بیعت لی تھی اور مامون کو دوسرا ولی عہد بنایا تھا۔ ۱۹۳ھ میں ہارون کو اطلاع ملی کہ خراسان کے شہروں میں شورش و انقلاب کی صدا بلند ہوگئی ہے اور فوج کے لوگ تمام تر بے رحمی اور درندگی کے باوجود انقلاب کی آواز کو دبانے میں ناکام ہورہے ہیں۔ ہارون نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے مشورہ کے بعد اسی میں صلاح سمجھی کہ خود سفر کرے اور خلافت کی طاقت کو انقلاب کو دبانے کے لئے استعمال کرے۔اس نے اپنے لڑکے امین کو بغداد میں چھوڑا اور مامون کوخراسان لیکر گیا۔ہارون خراسان کی پرآشوبی اور آشفتہ حالی کوختم کرنا چاہتا تھا لیکن دوبارہ بغداد واپس نہ آسکا اور ۱۹۳ھ میں طوس میں دنیا سے کوچ کرگیا اور اس کے دونوں بیٹوں امین و مامون کے درمیان رقابتی کشمکش جاری ہوگئی۔ ۷؎

ہارون کے انتقال کے بعد امین کی خلافت کو اٹھارہ دن سے زیادہ نہیں گزرے تھے کہ اس نے مامون کو منصب سے علیحدہ کرنے کی کوششیں تیز کردیں۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے موسیٰ کو یہ عہدہ سپرد کردے مگر وزیروں اور مشیروں میں سے سوائے علی بن عیسیٰ کے کوئی اور راضی نہیں ہوا۔صورت

حال یہ ہوئی کہ امین نے مامون کو اور مامون نے امین کو حکومت سے علیحدہ کرنے کا اعلان کردیا جس کے نتیجے میں جنگ و جدال اور اختلافات کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہوگیا۔ ۱۹۸ء میں امین قتل کردیا گیا اور پورا اقتدار مامون کے ہاتھ میں آگیا۔ہارون کی موت، امین و مامون کے درمیان اختلافات ومناقشات نے امام رضاؑ کو فرہنگی وثقافتی سرگرمیوں کے لئے بہترین موقع فراہم کردیا اور امامؑ نے اپنے شاگردوں کی علمی، ثقافتی اور اصولی تربیت کرکے اقدار اسلامی کے تحفظ کا عظیم ترین انتظام کیا۔

امام علی رضاؑ اور حکومت مامون

مامون کی حکومت کے مضبوط ہوجانے کے بعد امام علی رضاؑ کو غم واندوہ اور تکلیف دہ امور کا سامنا کرنا پڑا، خلافت کو زبردستی قبضہ میں لینے والے چاہے بنی امیہ ہوں یا بنی عباس، خاندان، حضرت علیؑ پر ظلم وجور سے معمور نظر رکھتے تھے۔وہ تمام لوگ جو حقائق سے باخبر تھے اور خلافت کو فرزندان حضرت علیؑ کا حق سمجھتے تھے وہ برابر حکام وقت کی جانب سے شکنجہ اور تکلیف میں مبتلا رہتے تھے اور زیادہ تر لوگوں کو شہید بھی کردیتے تھے، مامون نے کچھ دنوں تک شیعوں سے رابطہ رکھا تو اس کی حکومت میں ایرانی افراد آگئے جو ائمہؑ طاہرین سے محبت رکھتے تھے اس لئے وہ اپنے آباء واجداد کی طرح امامؑ کو قید خانہ میں نہ ڈال سکا، دل میں بغض وحسد کی آگ جل رہی تھی تو ظاہری طور پر ظلم نہ کرسکنے کے باوجودنئی ترکیبوں میں لگا رہا۔ مامون نے مکاری کا نیا طریقہ ایجاد کیا۔ اس نے طے کیا کہ امامؑ کو اپنی حکومت کے مرکز مرو میں بلائے محبت اور دوستی کا اظہار کرے ان کی علمی اور اجتماعی برتری سے استفادہ کرے۔اور تمام امور کو ان کی نگرانی میں دیدے۔ظاہری طور پر پہلے احترام کے ساتھ دعوت دی لیکن امامؑ اس کی چالوں کو خوب جانتے تھے۔انہوں نے دعوت قبول کرنے سے گریز کیا لیکن مامون کی طرف سے اصرار بڑھتا رہا مسلسل خطوط آتے رہے یہاں تک کہ مجبور ہوکر انہوں نے آل ابوطالب کے ایک گروہ کے ساتھ مَرو کی جانب کوچ فرمایا۔[۸]

مامون نے جلادی یا رجاء بن ضحاک کو جو امامؑ کو لانے پر مامور تھا حکم دیا کہ کسی طرح امامؑ کے احترام میں کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے لیکن امامؑ اعلانیہ اس سفر سے اظہار ناراضگی کرتے رہے۔ مدینہ سے سفر کے روز خاندان کے افراد کو جمع کرکے گریہ کی خواہش کی اور فرمایا کہ میں اب اپنے خاندان میں واپس نہیں آؤں گا۔[۹]

ولی عہدی کی پیشکش

امامؑ کو مرو پہونچنے کے لئے نیشاپور کے راستہ سے گزرنا پڑا۔اس علاقہ کے لوگوں نے آپ کے دیدار کی خواہش کی تو آپ نے اسلامی معارف کے پہونچانے کا بہترین موقع پایا۔محمل سے سر باہر نکال کر فرمایا کہ ’’لاالہ الاّ اللّٰہ حصنی من دخل حصنی امن من عذابی‘‘ لاالہ الاّ اللّٰہ میرا قلعہ ہے جو اس قلعہ میں داخل ہوا وہ عذاب سے محفوظ ہوگیا پھر تھوڑا راستہ طے کرکے فرمایا ’’لکن بشر طھا و شروطھا وانامن شروطھا‘‘ لیکن اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں اور میں ایک شرط ہوں۔ اسے سیکڑوں قلم نے لکھا اور آج تک معتبر ترین کتابوں میں موجود ہے۔ اس حدیث کو سلسلۃ الذھب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

امامؑ کو مرو پہونچے ہوئے چند دن گزرے تھے کہ مامون نے خلافت کی پیشکش کی امامؑ نے انکار فرمایا پھر مامون نے کہا کہ اگر خلافت قبول نہیں ہے تو ولی عہدی قبول کر لیجئے امامؑ نے اس سے بھی معذرت کی ۔ مامون کا جذبۂ بغض وعناد ابھر پڑا اور معذرت کو قبول نہ کرتے ہوئے سختی سے ڈرا دھمکا کر کہا کہ اگر آپ ولی عہدی قبول نہیں کریں گے تو آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔ [۱۰] امامؑ نے مجبوراً مامون کی پیشکش کو قبول کرلیا اور فرمایا کہ میں اس شرط کے ساتھ ولی عہدی کو قبول کرتا ہوں کہ کبھی کوئی حکم امور مملکت کے بارے میں نہ دوں گا اور حکام وقضاۃ کی تعیین وتنسیخ اور فتویٰ کے بارے میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔ [۱۱]

ولی عہدی کی پیشکش میں مامون کے اندر کوئی جذبۂ اخلاص نہیں تھا اس نے اس پیشکش کے ذریعہ جدید سیاسی چال کو استعمال کیا تھا تاکہ مخالفین کا سر کچل دیا جائے اور خود کو اسلام کا سچا پابند ظاہر کیا جائے، چونکہ اس کا زمانہ سیاسی مشکلات اور دشواریوں سے معمور تھا اس نے اس ترکیب سے نجات کی راہ ڈھونڈھ رہا تھا، عربوں کی مخالفت کو دبادے، امین کے قتل کی بنا پر جو عمومی نفرت پیدا ہوئی ہے اسے ختم کردے، علوی شورش کا خاتمہ ہوجائے۔ اگرچہ مامون کے اندر ولی عہدی کی پیشکش میں کوئی اخلاص وصداقت کا جذبہ نہیں تھا لیکن امامؑ نے امت اسلامیہ کی حفاظت اور معارف اسلامی کی ترویج کے مواقع کے پیش نظر مجبور ہوکر اسے قبول کیا جس کے مضمرات کو امامؑ کی عصمتی نگاہ ہی دیکھ رہی تھی اگر امامؑ مکمل انکار سے خود اور شیعوں کو نیست ونابود کردیتے تو یہ طے نہیں تھا کہ یہ جانثاری

شہادت کی طرح حیات بخش اور امت کے لئے فائدہ مند ہوگی۔ امامؑ نے ولی عہدی کو اس لئے بھی قبول فرمایا کہ خاندان پیغمبرؐ کے لوگ سیاست کے میدان میں حاضر ہوں اور یہ گمان نہ کریں کہ وہ صرف علماء فقہاء ہیں جن کا ملت کے کاموں سے کوئی سروکار نہیں ہے شاید امامؑ نے ابن عرفہ کے سوال کا جواب اسی نظریہ سے دیا تھا۔ ابن عرفہ نے پوچھا تھا فرزند رسولؐ کس چیز نے ولی عہدی کے لئے آمادہ کیا؟ امامؑ نے فرمایا کہ جس وجہ سے حضرت علیؑ شوریٰ میں حاضر ہوئے اسی وجہ سے میں نے قبول کیا۔[۱۲]

تاریخی قرائن اور شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ نے مرو تک سفر کی منظوری اور بادل ناخواستہ ولی عہدی کی قبولیت کو بہترین موقع قرار دیا کہ مذہب کے حقائق اور اسلامی تعلیمات کو عام کریں چنانچہ آپ نے سفر کے دوران نیشاپور میں مشہور حدیث حصنی کو بیان بھی کیا اور شرح بھی کی جسے ۲۴ ہزار محدثین نے تحریر کیا۔ خراسان پہونچ کر وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور جب پتہ چلا کہ قوم کے پاس پانی نہیں ہے تو چشمہ جاری فرمایا وغیرہ وغیرہ ۔ ملّا جامی نے ولی عہدی کا ایک فائدہ یہ تحریر کیا ہے کہ امامؑ کی آمد و رفت دربار میں شروع ہوگئی اور آپ جب بھی دربار میں آتے دربان نہایت درجہ احترام کرتے ہوئے امام کو اندر لاتے تھے۔ایک روز بنی عباس نے جب یہ طے کرلیا کہ امامؑ کا احترام آج نہ کیا جائے تو امامؑ جیسے ہی تشریف لائے تو تیز ہوا چلی اور پردہ خود بخود اٹھ گیا اور پھر باہر جاتے ہوئے دوبارہ ایسا ہی ہوا جس سے قوم پر حجت بھی تمام ہوگئی اور سب دربان مثل سابق خدمت پر آمادہ بھی ہو گئے۔[۱۳]

ولی عہدی کی بنا پر دربار میں آنے جانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مختلف مذاہب کے علماء سے مناظرے ہوتے رہے۔ عالم نصاریٰ جاثلیق، عالم یہود راس الجالوت، عالم مجوس سے مناظرے تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان میں امامؑ نے تمام مذاہب کے علماء کو شکست دے کر اسلامی تعلیمات وعقائد کا تحفظ فرمایا اور واضح کردیا کہ جب اسلام کے لئے خطرہ درپیش ہوتا ہے تو ائمہؑ امت کی مشکل کشائی اور وقار اسلامی کا تحفظ فرماتے ہیں، ان کے علاوہ بیشمار فوائد ہیں جو ولی عہدی کی بنا پر پہونچے جن کو امامؑ محسوس کررہے تھے اور جن کے ذریعہ اقدار اسلامی کی حفاظت کی جاسکتی تھی، حقیقت تو یہ ہے کہ اگر امامؑ نے اسے قبول نہ فرمایا ہوتا تو ان فوائد کا حاصل کرنا ممکن نہیں تھا اگر کوئی واقعہ پیش بھی آتا تو حکومت اور اس کے کارندے اس کو پوشیدہ رکھتے اور اسلامی تعلیمات وحقائق

کا کسی کو پتہ بھی نہ چلتا، ولی عہدی کا سب سے عظیم فائدہ یہی ہے کہ جس سے پوشیدہ رکھنے کا خطرہ تھا اسی کے ذریعہ نشر واشاعت پیغامات اسلامی کا کام انجام دیا گیا۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

امام علیؑ رضاؑ اور دیگر افکار

امام صادقؑ کے زمانہ میں ابتدائی عباسی خلفاء کا دور فکری اور فرہنگی تحریک کا عہد تھا۔ اس دور میں معاشرہ اسلامی میں بے مثال علمی شوق بیدار ہوا تھا۔ علوم اسلامی کے ساتھ علوم بشری کو رواج ملا تھا۔ مختلف مذاہب اور فرقوں کے وجود میں آنے سے اسلام پر جو اشکالات واعتراضات وارد کیے گئے تھے ان کے جوابات دیے گئے ۔ یہ تحریک جاری رہی۔ مختلف افکار وعقائد یونانی کتابوں کے ترجمہ کی بنا پر اثر انداز ہوئے۔ مامون کو یونانی کتابوں کے ترجمہ سے خاص تعلق تھا۔ اس نے بادشاہ روم کو خط لکھا اور یہ درخواست کی کہ علوم قدیمہ سے متعلق جو کتابیں اس کے پاس ہوں اسے بھیج دے۔ بادشاہ روم نے اسے قبول کیا اور مامون کی طرف سے مامور عقلاء ان کتابوں کو روم سے لائے اور اس کے حکم سے عربی میں ترجمہ کیا، ان میں کچھ کتابیں فلسفہ کی تھیں۔ ان کے ترجموں نے دوسروں کی تہذیب خصوصاً یونان کے فرہنگ سے مسلمان آگاہ ہوئے نیز یہ کہ مامون نے مذہب معتزلہ کو قبول کرلیا۔ معتزلی علماء اس کے دربار میں قریبی ہوگئے۔ اس مذہب کے پیرو عقل ومنطق، رائے وقیاس کے طرفدار تھے۔ خطاپذیر اور محدود عقل پر اعتماد کرنے میں افراط سے کام لیتے تھے اور دینی احکام وقوانین کو قاصر عقلوں کے پیمانے پر تولتے تھے۔ جن باتوں کی تائید عقل کرتی اسے قبول کرلیتے اور بقیہ کا انکار کرتے ۔ اس حالت کی وجہ سے جدید مسائل بھی ظاہر ہوئے اور مسلمانوں کے لئے مختلف النوع شبہات اور اشکالات بھی پیدا ہوئے۔ مشہور مصری عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے لکھا ہے، کہ زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ مسلمان دوسروں کی تہذیب بالخصوص یونانی فرہنگ اور زیادہ تر یونانی فلسفہ سے آشنا ہوئے۔ ان کا بہت زیادہ اثر مسلمانوں پر ہوا اور اس کو اپنے دین سے دفاع کا ذریعہ قرار دیا پھر ایک قدم آگے بڑھ کر اپنی عقل کو ہر چیز پر حاکم بنادیا اور یہ خیال کیا کہ صرف عقل سرچشمۂ معرفت ہے اور رفتہ رفتہ خود کو منبع وحی سے بے نیاز کردیا اس کی وجہ سے حق سے دوری میں گرفتار ہوگئے اسی اشتباہ کی وجہ سے اختلافات کے دروازے کھل گئے اور ہر گروہ اپنے بے بنیاد استدلال

میں منہمک ہوگیا اور فرقوں کی تعداد ستّر سے بھی زیادہ ہوگئی۔ ۱۴؎

اس زمانہ میں کوئی ایسی علمی شخصیت موجود نہ تھی جو تقویٰ اور دلسوزی سے آراستہ ہو، تاکہ غیروں کے علمی آثار پر تنقید و تبصرہ کرسکے اور اصل اسلام کی وضاحت کرے۔ انحرافی اور غیر خالص مطالب کو ختم کرے اور سچے دین کو اسلامی معاشرہ کے حوالہ کرے۔ ان حالات میں اسلام کے عظیم پیشوا امام رضاؑ کے کندھے پر ایک بڑی ذمہ داری تھی کیونکہ وہ اس خطرناک صورت حال سے باقاعدہ واقف تھے تو امامؑ نے کمر ہمت باندھی، خطرناک فکری آندھی کے مقابل میں کھڑے ہوگئے، مناظرہ کے جلسوں میں شرکت کرکے، فلاسفہ، متکلمین، علماء اہل کتاب کی بے بنیاد باتوں کو واضح فرمایا۔ ان کے اشکالات کے دندان شکن اور مسکت جوابات دئے جس کے ذریعہ حقیقی اسلامی عقیدہ وفرہنگ کی حفاظت کی۔ یہ مناظرے مامون کی طرف سے اس کی موجودگی میں تشکیل پائے تھے اور ہزاروں سال گزرجانے کے باوجود نہایت مفید اور نتیجہ خیز ہیں۔ ان مناظروں میں نمونہ کے طور پر امامؑ کا جاثلیق، راس الجالوت، ہزبر اکبر، عمران صابی، سلیمان مروزی وغیرہ کے ساتھ مناظروں کو پیش کیا جاسکتا ہے نیز بصرہ کے مختلف مذاہب کے سربراہوں سے مناظرہ بھی یادگار ہے۔ ان میں کچھ مناظرے اتنے اہم ہیں کہ ان کی آواز پورے ملک میں گونجنے لگی اور آج بھی ان کی افادیت باقی ہے۔

امام علی رضاؑ اور شاگرد اور اصحاب

امامؑ نے اسلامی تعلیمات، اقدار، اصول، عقائد وفرہنگ کا تحفظ اپنے مناظروں، بیانات اور جوابات کے ذریعہ کیے اور مستقبل کے لئے ایسے اصحاب وشاگرد تیار کیے جو قرآنی قوانین واحکام کے محافظ بنے رہے اور سماج ومعاشرہ کو اسلامی بیداری کی راہ پر لگائے رہے ان اصحاب اور شاگردوں کی کثیر تعداد ہے ان میں مشہور ترین اصحاب کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ **دعبل بن علی خزاعی:** یہ اپنے زمانہ کے عظیم ترین بے مثل شاعر اور ادیب تھے، عربی ادب کی تاریخ میں ان کا قصیدہ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ امامؑ نے ان کے قصیدہ پر انعام بھی دیا اور دو اشعار کا اضافہ بھی فرمایا۔

۲۔ **حسن بن علی بن زیاد الوشاء البجلی کوفی:** آپ نے کچھ مسائل کا ذخیرہ تیار کرکے امامؑ کے پاس امتحان کے لئے بھیجا۔ امامؑ کے خادم نے ایک لفافہ حسن بن علی کو دیا اور کہا کہ اس میں سوالات

کے جوابات موجود ہیں۔ یہ سن کر ان کی زندگی میں انقلاب پیدا ہوگیا امامؑ کی امامت کے بارے میں انہیں جو تر دد تھا وہ ختم ہوگیا اور امامت پر یقین کامل ہوگیا۔

۳۔حسن بن علی بن فضال کوفی: آپ امامؑ کے مخصوص اصحاب اور راویان حدیث میں تھے۔ یہ انتہائی مشہور ومعروف عابد تھے۔ان کا تذکرہ لوگوں کی زبانوں پر رہا کرتا تھا۔

۴۔حسن بن محبوب السراد بجلی کوفی: یہ اپنے زمانہ کے ارکان اربعہ اور اصحاب جماع میں شمار ہوتے تھے۔ لوگ انہیں زراد کہتے تھے لیکن امامؑ نے فرمایا کہ سراد کہا کرو کیونکہ لفظ سرد زرہ سازی کے لئے قرآن میں استعمال ہوا ہے اور امت اسلامیہ کو الفاظ قرآن کو اہمیت دینا چاہیئے۔

۵۔زکریا بن آدم بن عبداللہ بن سعد اشعری قمی: آپ کے بارے میں امامؑ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ مجھ سے دوری پر زندگی گزار رہے ہیں انہیں احکام دین زکریا سے حاصل کرنا چاہیئے۔یہ میری نگاہ میں دین ودنیا دونوں میں محفوظ ہیں۔

۶۔صفوان بن یحیٰی کوفی: اپنے دور کے معتبر ترین راویوں میں ہیں۔ امامؑ نے ان کے انتقال کے بعد ان کے کفن حنوط وغیرہ کا انتظام کیا اور اسماعیل بن موسیٰ کو حکم دیا کہ ان کی نماز جنازہ ادا کریں۔

۷۔محمد بن اسماعیل بن بزیع: آپ امامؑ کے موثق اور مخصوص اصحاب میں تھے ان کا شمار امامؑ کے وزیروں میں ہوتا ہے۔

۸۔نصر بن قابوس: آپ بیس سال تک امامؑ صادق کے وکیل رہے۔ امام ہفتم کے مخصوص اصحاب میں تھے اور ان سے امام رضاؑ کی امامت کی نص کی روایت ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ امامؑ نے جسمانی اور روحانی فلاح وبہبود کے لئے طب الرضاؑ تجویز فرمائی جو آج بیحد مشہور ومعروف ہے۔

مدارک ومنابع:

۱۔محدث شیخ عباس قمی، منتہی الامال، ج ۲، حالات امام علی رضاؑ

۲۔علامہ ذیشان حیدر جوادی، نقوش عصمت، ص ۵۲۷

۳۔علامہ مجلسیؒ، بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۲۲۷

۴۔شیخ صدوقؒ، عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۰۰
۵۔علامہ اربلی، کشف الغمہ، ج ۳، ص ۱۰۵
۶۔شیخ صدوقؒ، عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۰۰
۷۔شیخ صدوقؒ، عیون اخبار الرضا، ج ۱، ۲۲۶
۸۔علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۵۵
۹۔کلینی، الروضہ من الکافی، ص ۱۵۱
۱۰۔سید علی، زندگانی امام ہشتمؑ، ص ۵۸ م قم
۱۱۔علامہ اربلی، کشف الغمہ، ج ۳، ص ۶۵
۱۲۔شیخ مفیدؒ، الارشاد، ص ۳۰۹
۱۳۔علامہ مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۱۷
۱۴۔شیخ صدوق، علل الشرائع، ج ۱، ص ۲۲۶
۱۵۔علامہ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۳۳۴
۱۶۔شیخ مفید، الاشاد، ص ۳۱۰
۱۷۔ابن شہر آشوب، مناقب آل ابوطالب، ج ۴، ص ۳۶۴
۱۸۔شیخ صدوقؒ، عیون اخبار رضا، ج ۲، ص ۱۴۱
۱۹۔ملا جامی، شواہد النبوۃ، حالات امام رضاؑ
۲۰۔محمد ابراہیم آیتی، آئینہ اسلام، ص ۲۲۶